R. No. 2106/.. Regd. No. A. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. ..

Telegrams
"ANJUMAN"

جلد ۲۰ - شمارہ ۲۴ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۲۲ جون سنہ ۱۹۶۱ء

ایم اے - حسن بھپھوری

ہندی کی ماترائیں اور اُردو کے اعراب

مذکورہ بالا عنوان سے میرا ایک مضمون ہماری زبان کے ۸ دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا اور جس پر قریشی صاحب نے ۸ فروری سنہ ۱۹۶۱ء کے شمارے میں تبصرہ فرمایا ہے میں اس سلسلے میں پیدا ہوئی چند غلط فہمیوں کا ازالہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

وہ یہ کہ عنوان بڑا میرے ایک بڑے مضمون "خدامِ اُردو سے خطاب" کا ذیلی عنوان ہے۔ میں نے اُس مضمون میں خدامِ اُردو سے سفارش کی تھی کہ اُردو زبان کے تمام مسائل کو بحث و نظر کا موضوع بنایا جائے کیونکہ صرف نعرے لگانے، بڑے بڑے مقالے لکھنے، زبانی ہمدردی جتانے اور خون بہانے کا وعدہ کرنے سے اُردو زبان میں پائداری اور استحکام پیدا نہیں ہو سکتا اور اگر ہو سکتا ہے تو خون بہانے کے بدلے پسینہ بہانے اور اس کے تمام مسائل کا کامل حل تلاش کرنے سے۔

میں نے اپنے مضمون میں اُردو ادب سے بحث نہیں کی تھی اور نہ آج بھی اس موضوع پر بحث کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ کام اُردو زبان کے با اثر حضرات کا ہے۔ میں ایک مدرس ہوں۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اُردو زبان کے درسی مسائل پر ہی کچھ نظریے پیش کرنے کا حق رکھتا ہوں میں پچھلے ۲۳ سال سے درس کا کام کرتا آ رہا ہوں۔ میں نے اس مدت میں پہلے درجے سے بارہویں درجے تک بچوں کو تعلیم دی ہے۔ مجھے ابتدائی درجوں میں پڑھانے کا ذاتی شوق بھی رہا ہے اور حسنِ اتفاق سے اُردو اور ہندی دونوں ایک ہی ساتھ پڑھانے کا مجھے بہت موقع بھی ملتا رہا ہے چنانچہ ایک معلم ہونے کی حیثیت سے میں بُری طرح محسوس کرتا ہوں کہ ہمارا موجودہ ابتدائی درسی طریقہ اصلاح طلب ہے اور ہمیں کوئی قابلِ فہم سائنٹیفک درسی طریقہ ڈھونڈھ نکالنا چاہئے۔ موجودہ اُردو قواعد کی بھی اصلاح بہت ضروری ہے کیونکہ میں خود طالب علمی کے زمانے میں اس کو ایک دردِ سر ہی سمجھتا تھا اور پڑھا بھی تو قہراً و جبراً اور محض امتحان پاس کرنے کے خیال سے۔ ورنہ یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ اُردو قواعد کے مختلف اصطلاحات کی تقسیم اور تعریف بالکل مبہم ہے اور اس کے مطالعہ سے نہ تو ہمارے بچے قواعد پڑھنے کا فائدہ اُٹھاتے ہیں اور نہ اس کے مطالعہ سے دوسری زبانوں کے قواعد کو سمجھنے میں اُنھیں آسانی ہی ہوتی ہے۔

چنانچہ میرے اس احساس نے مجھے مجبور کیا کہ ابتدائی درجوں میں اُردو سکھانے اور درمیانی درجوں میں اُردو قواعد سے فائدہ اُٹھانے کے مسئلے پر میں غور کروں اور کوئی ایسا درسی طریقہ ڈھونڈھ نکالوں جس سے کم وقت اور تھوڑی محنت میں بالغوں اور بچوں کو اُردو پڑھنا لکھنا آ جائے۔ کیونکہ جب بچے عام فہم املا پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں گے تب وہ بڑی آسانی سے ذاتی یا اسکولی مطالعہ سے اپنی ادبی صلاحیت بھی بڑھا لیں گے اور یقیناً اگر انھیں مطالعہ کا شوق ہو گا تو ان میں سے چند شہرت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

کوئی بھی ملک ہو وہاں شکسپیر، برنارڈ شا، ملٹن، ٹیگور اور اقبال محدودے چند ہی ہو سکتے ہیں، اور ملک کی بھاری اکثریت اوسط پڑھی لکھی ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے اس مضمون میں بتایا تھا کہ آج اُردو زبان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اُردو زبان کے ادبی معیار کو بڑھانا نہیں بلکہ سہل الحصول اور قابلِ فہم ابتدائی درسی طریقہ ڈھونڈھ نکالنا ہے۔ اور خاص کر ایسے وقت میں جب کہ ہر شخص کے لئے پڑھنا لکھنا لازمی ہو گیا ہے اس چیز کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

اس سلسلے میں میں نے طباعت کی آسانی اور اچھے قسم کے ٹائپ رائٹر کی ایجاد پر بھی غور کرنے کی دعوت دی تھی کیونکہ کل جب گاؤں گاؤں میں ہندی کے ٹائپ رائٹر رائج ہوں گے تو ہمارے بچوں میں احساس کمتری پیدا ہو گا۔

دنیا کی کوئی زبان مکمل نہیں ہوتی ہر زمانے کے تغیرات، سیاسی تبدیلیوں اور ایجادوں و انکشافوں سے ہمیشہ متاثر ہوتی رہتی ہیں اور جذب [illegible]

ترقی پذیر نہیں ہوتیں وہ آخر میں ایک مُردہ زبان بن کر رہ جاتی ہیں۔

خوش قسمتی سے اُردو ایک ترقی پذیر زبان ہے۔ اس میں کافی لچک پائی جاتی ہے۔ یہ چھوا چھوت کی بھی قائل نہیں ہے۔ اس نے اپنے حروف تہجی میں ترکی، عربی، فارسی اور ہندی کے خاص خاص حروف تہجی کو داخل کر لیا ہے۔ اور اس نے دوسری زبانوں کے ہزاروں الفاظ کو بھی اپنا لیا ہے۔

گو یہ ایک حقیقت ہے کہ آج اُردو کی ترقی میں جمود پیدا ہو گیا ہے۔ میں اس جمود کو ختم کرنا، اس کی تمام درسی بُرائیوں کو دور کرنا اور دنیا کی ساری خوبیوں کو اپنا لینا چاہتا ہوں تاکہ اُردو دنیا کی ایک عام فہم اور سائنٹفک زبان بن جائے۔

جو بھی ہو۔ میں نے برسوں کی پیہم کوششوں اور تجربوں سے کافی ردو کد کے بعد درس کا جو طریقہ اور اُردو قواعد کا جو مفید خاکہ تیار کیا ہے اس کو میں اردو داں طبقے کے مطالعہ کے لئے "ہماری زبان" میں شائع کرانا چاہتا تھا اور یہ بھی چاہتا تھا کہ ملک کے تمام اخبار اور رسالے اس اہم مسئلہ سے دلچسپی لیتے تاکہ ہم کوئی خاص نظریہ قائم کر سکتے اور ہم جس نتیجہ پر پہنچتے اس پر ملک کے تمام مکاتب اور اداروں میں پابندی کے ساتھ عمل کیا جاتا۔

بہر حال میرا موضوع بحث صرف اُردو زبان کا درسی مسئلہ ہے۔ اور ہر زبان کا درسی مسئلہ بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ اس میں حروف اور آوازوں سے بحث کی جاتی ہے اور حروف بھی ایسے جن کی آوازیں ایک حرف کی بھی آواز سے کم ہوتی ہیں۔ لہذا حروف اور آواز کی باریکیوں کو منظر عام پر اس طرح لانا کہ ہر معمولی پڑھا لکھا شخص بھی سمجھ جائے بہت مشکل کام ہے۔ اور خاص کر کتابت میں اگر کاتب پوری توجہ نہ دیں تو اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے بھی مضمون محض ایک معمہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کام کو صرف نقشوں اور چارٹوں کی مدد سے روبرو ہی سمجھایا جا سکتا ہے۔ پھر بھی میں نہایت اختصار کے ساتھ مذکورہ بالا عنوان سے تعلق رکھنے والی تمام باتوں پر روشنی ڈالتا ہوں۔ آپ سے میری گزارش ہے کہ میرے مضمون کا آپ ادبی اعتبار سے نہیں بلکہ ایک فنی لحاظ سے مطالعہ کریں۔

حروف تہجی

تمام زبانوں میں حروف تہجی کی حروف صحیح (Consonant व्यंजन) اور حروف علت (Vowel स्वर) دو قسمیں ہوتی ہیں۔ حروف صحیح آواز کی اتنی چھوٹی چھوٹی نامکمل اکائیاں ہوتی ہیں کہ ہم ہلکی سے ہلکی آواز کیوں نہ بولیں ان کی اصل آوازوں سے کچھ فاضل ہی بول جاتے ہیں مثلاً ہم ب، ج، د، اور س، کی اصل آوازوں تک نہیں پہنچ سکتے 'ے'، 'یم'، 'ال' اور 'ین' کی فاضل آوازیں ملا کر ان کا ترتیب وار بے، جیم، دال اور سین تلفظ کرتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اس ملاوٹ میں کوئی سلسلہ نہیں ہے۔

حروف صحیح کے تلفظ کرنے کا سائنٹفک طریقہ یہ ہے کہ ان کی اصل آوازوں میں کسی مناسب حرف علت کی ہی آواز ملا کر ان کا تلفظ کیا جائے اور ان کی حقیقی آواز میں مختلف حروف علتوں کی آوازیں ملا کر آوازوں میں طرح طرح کی باریکیاں پیدا کی جائیں جیسے क + अ = क، क + आ = का، وغیرہ۔ چونکہ تمام حروف علتوں کی آوازوں میں 'اَ' (زبر) سب سے ہلکی آواز ہے اس لئے ہم کو ہمیشہ تمام حروف علت کا تلفظ اس طرح کرنا چاہیے گویا ان پر زبر دیا ہوا ہو۔ یعنی اَ، بَ، جَ، دَ، وغیرہ۔ اس طرح جہاں ایک طرف اس ملاوٹ میں یکسانیت ہو جائے گی وہاں اس معاملہ میں اُردو زبان سے ہندی کا تعلق پیدا ہو جائے گا اور اُردو کے حروف تہجی کا سائنٹفک تلفظ بھی ہونے لگے گا اور اُردو پڑھ کر ہندی یا ہندی سیکھ کر اُردو پڑھنا بھی آسان ہو جائے گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس طریقے سے اُردو اور فارسی زبانوں کے پڑھنے میں بھی سہولت ہوگی۔

فارسی رسم الخط میں حروف تہجی کو اُن کی آوازوں کے بدلے پکارو نام سے پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حروف کی آوازوں کو جوڑ کر کسی لفظ کی یا الفاظ کی آوازوں کی تشریح کر کے کسی حرف کی آواز پیدا نہیں کی جا سکتی مثلاً 'غفلت' کا تلفظ حقیقتاً "غ، ف، ل، ت" آوازوں کے ملنے سے بنتا ہے نہ کہ "غین، فے، لام، تے" آوازوں کے ملنے سے۔ ممکن ہے ناظرین خیال فرمائیں کہ 'غفلت' کا صحیح تلفظ 'غَفَلَت' نہیں ہوتا اس لئے یہ اصول بھی غلط ہے۔ لیکن اُردو زبان میں جزم (ْ) کا بھی استعمال دو حروف کو ملا کر ایک ساتھ پڑھنے میں ہوتا ہی ہے اور قدرتاً دو حروف کے ملنے سے 'اَ' کی آواز قدرے گر جاتی ہے (ساکن حروف کے بیان میں واضح کیا جائیگا) لہذا 'غفلت' کا تلفظ 'غَفْلَت' ہی ہوگا اور اگر کسی حرف میں 'اَ' کی آواز باقی رکھنی ہوگی تو اس کے بعد جزم نہیں دیں گے جیسے 'دری' میں 'د' کے ساتھ 'اَ' کی آواز باقی ہے۔ لیکن ہندی زبان میں غفلت کا صحیح تلفظ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہندی میں غَفْلَت اور غَفَلَت دونوں کو 'गफलत' ہی لکھتے ہیں۔

حروف علت (Vowel स्वर)

حروف علت آواز کی وہ مکمل اکائیاں ہیں جن کے تلفظ کرنے میں باہر سے آوازیں نہیں ملانی پڑتیں۔ حروف علت کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ان کی آوازیں حروف صحیح کی آوازوں میں جوڑ کر طرح طرح کی باریکیاں پیدا کی جاتی ہیں اور جب تک ان کی آوازیں حروف صحیح کی آوازوں میں نہیں ملائی جائیں حروف صحیح کا تلفظ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے انگریزی کے 'K' حرف صحیح میں بتدریج a، e، i، o اور u کی آوازیں جوڑ کر Ka، Ke، Ki، Ko اور Ku مختلف آوازیں پیدا کی گئی ہیں۔ لہذا a، e، i، o اور u انگریزی زبان کے حروف علت ہوئے۔

ہندی زبان میں अ، आ، इ، ई، उ، ऊ، ए، ऐ، ओ، औ اور अं کل گیارہ حروف علت ہیں۔ لیکن جب ان کی آوازیں حروف صحیح میں ملتی ہیں تو ان کی شکل مختلف علامتوں میں بدل جاتی ہے اور یہی علامتیں ہندی کی ماترائیں کہلاتی ہیں۔ بہر حال اگر ان حروف علتوں کی آوازیں ہندی کے 'क' حرف صحیح میں جوڑی جائیں تو 'क' کی آوازیں ترتیب وار क، का، कि، की (باقی صفحہ ۱ پر)

اداریہ

ڈاکٹر بی۔سی۔رائے کا لسانی فارمولا

آسام میں زبان کے مسئلے نے جو پیچیدگی اختیار کر لی ہے اس کو دور کرنے کے لئے ڈاکٹر بی۔سی۔رائے وزیر اعلیٰ مغربی بنگال نے ایک فارمولا بنایا ہے۔ اُن کی تجاویز کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) تمام ریاستوں کو دو زبانی قرار دیا جائے۔ اقلیت کی زبان اگر پانچ فی صدی یا اس سے زیادہ آبادی بولتی ہے تو اسے ریاستی زبان تسلیم کیا جائے۔

(۲) ہندی کے یونین کی سرکاری زبان ہونے کے بعد ہر ریاست جہاں ہندی علاقائی زبان نہیں ہے، دو زبانی ریاست ہو جائے گی۔

(۳) یونین کی حکومت نے ستمبر ۱۹۵۶ء میں لسانی اقلیتوں کے تحفظ کے لئے جو یادداشت شائع کی تھی اُسکی کسی سفارش پر خود اس حکومت نے پوری طرح عمل نہیں کیا۔ ان سفارشات کو واضح الفاظ میں پھر بیان کرنا چاہئے اور ایسی مشینری بنانی چاہیئے کہ ان پر قرار واقعی عمل ہو سکے۔

(۴) دستور کی دفعہ ۳۴۷ میں ترمیم کی ضرورت ہے تاکہ صدر کسی ریاست کی قابل لحاظ آبادی کی زبان کو اس ریاست میں یا اس کے کسی حصے میں سرکاری طور پر تسلیم کئے جانے کی ہدایت دے سکے۔

(۵) اگرچہ وزیر داخلہ کی آسام کے متعلق تجاویز ایک اچھا سمجھوتہ ہیں اور اُن پر سب کو عمل کرنا چاہئے، مگر ضرورت ہے کہ لسانی اقلیتوں کے بارے میں حکومت اپنی آل انڈیا پالیسی دوبارہ واضح کرے اور اس غرض سے تمام ریاستوں کے وزیروں اور یونین کی حکومت کے وزیر داخلہ کی ایک کانفرنس جلد سے جلد ہونی چاہئے۔

یہ تمام تجاویز مناسب ہیں، مگر غور سے دیکھا جائے تو سوائے پہلی سفارش کے کوئی نئی نہیں ہے۔ دفعہ ۳۴۷ کی رو سے صدر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کسی ریاست میں کسی اور زبان کو سرکاری حیثیت دے سکتا ہے۔ حکومت ہند کی پالیسی کا بھی اعلان ہو چکا ہے گو اس پر قرار واقعی عمل نہیں ہوتا۔ ریاستی وزیروں کی کانفرنس بہت اچھی چیز ہے۔ مگر جب تک مرکز ریاستوں کو ایک آل انڈیا پالیسی کے تحت نہ لائے، محض ہدایات کافی نہیں ہوتیں۔ جب مختلف ریاستوں کو چار منطقوں (ZONES) میں تقسیم کیا گیا تھا تو ان منطقوں کی کونسلوں کو خاص طور سے ہدایت کی گئی تھی کہ لسانی اقلیتوں کے اطمینان کے لئے مناسب کارروائی کریں۔ ابھی تک صرف جنوبی منطقے کی کونسل نے چند سفارشات کی ہیں جن کی مدد سے اُردو کے حقوق کا خاصا تحفظ ہو گیا ہے۔ دوسری کونسلیں اب تک خاموش ہیں۔ یہ بھی اچھی بات ہے کہ مرکز کے وزیر داخلہ نے اب ان کونسلوں پر معاملہ نہیں چھوڑا، بلکہ اگست میں ریاستی وزیروں کی ایک کانفرنس بلائی ہے جس میں لسانی اقلیتوں کے مسئلے پر پھر غور ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمارے خیال میں حسب ذیل اقدامات ضروری ہیں:۔

(۱) ان تمام ریاستوں میں جہاں اُردو داں آبادی پانچ فی صدی یا پچاس لاکھ ہے اُردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے۔

(۲) ریاستوں کے اُن خطوں میں جہاں اُردو داں آبادی کی اکثریت ہے، دفتر کے ریکارڈ اُردو میں ضرور رکھے جائیں اور ابتدائی اور ثانوی منزل پر اُردو کے ذریعے تعلیم کا کافی استحکام ہو۔

(۳) لسانی اقلیتوں کے کمشنر کے اختیارات وسیع کئے جائیں اور حسب ضرورت وہ صدر جمہوریہ کے نمائندے کی حیثیت سے ریاستی حکومتوں کو ہدایات جاری کر سکے۔

(۴) ہر ریاست میں لسانی اقلیتوں کے مسائل پر غور کرنے اور اُن کی شکایات دور کرنے کے لئے ایک شعبہ قائم کیا جائے جس کا افسر سکریٹری کے رتبے کا ایک کارکن ہو۔

(۵) ایک جماعت میں دس اور ایک اسکول میں چالیس کا فارمولا چونکہ ناقابل عمل ثابت ہو چکا ہے، اس لئے پانچ اور پچیس کا فارمولا اس کی جگہ لے۔

(۶) اقلیتوں کی آبادی کے لحاظ سے حکومت خود ایسے ابتدائی اسکول کھولے جن میں اقلیت کی زبان ذریعہ تعلیم ہو۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب تک لسانی اقلیتوں کی جائز شکایات دور نہیں کی جاتیں، قومی وحدت اور سالمیت کا استحکام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس مسئلے کو خاص اہمیت دینی چاہئے اور فوری تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ دیکھنا ہے کہ حکومت ہند اس سلسلے میں کیا کرتی ہے۔

"ہماری زبان" میں کتابوں پر تبصرے

"ہماری زبان" کے لئے جو کتابیں بغرض تبصرہ موصول ہوتی ہیں ان کے لئے ابتدا ہی سے ہم نے یہ قاعدہ رکھا ہے کہ بجائے اس کے کہ ہر کتاب پر ایڈیٹر یا کوئی ایک شخص تبصرہ کرے ہم موضوع کی مناسبت سے مختلف اہل قلم اور واقف کار حضرات کی خدمات حاصل کرتے ہیں، اس طور پر ہمیں سہولت بھی ہوتی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تبصرہ و تنقید کا حق بھی بہتر طور پر ادا ہوتا ہے۔ عام طور پر اخبارات و رسائل میں جو تبصرے شائع ہوتے ہیں ان میں سے بیشتر کتاب پڑھے بغیر ہی کئے جاتے ہیں، اور چند تعارفی یا تعریفی جملوں پر ختم ہو جاتے ہیں اس لئے ان تبصروں کی بہت زیادہ وقعت نہیں ہوتی۔ "ہماری زبان" میں ایسے برخلاف جو تبصرے شائع ہوتے ہیں اس میں تبصرہ نگار بے لاگ رائے دینے میں تامل نہیں کرتا۔ یہ ضروری نہیں کہ تبصرہ نگار کے تمام خیالات سے ادارہ کو اتفاق ہو، یہ خیالات ادارے کے نہیں ہوتے

اس ادارہ انھیں ایک اہم رائے سمجھ کر ان کی اشاعت کرتا ہے۔ اس بات کی توقع بھی بے جا ہے کہ ہر تبصرہ مصنف کی مرضی کے مطابق ہو۔ ایسی صورت میں بعض اوقات مصنف یا اس کے مداحوں کی طرف سے ایسے خطوط موصول ہوتے ہیں جن میں تبصرہ نگار کے خلاف اظہار خیال ہوتا ہے یا تصنیف زیر بحث کی مدح وستائش میں صفحے کے صفحے سیاہ کئے جاتے ہیں اور ہم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم ان خطوط کو من وعن شایع کریں۔ اول تو ہماری زبان کے صفحات میں اتنی گنجائش نہیں دوسرے ہر تبصرے پر جو مصنف یا مصنف کے مداحوں کو ناپسند آئے ہم جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ شروع کردیں تو اس سے دوسرے مباحث پر اثر پڑے گا۔ ہمیں چاہیے کہ جب ہم کوئی کتاب تنقید و تبصرہ کی غرض سے بھیجیں تو صرف تعریف و تحسین کے منتظر نہ رہا کریں، بلکہ اس پر موافق و مخالف ہر طرح کی رایوں کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کریں۔ اگر مصنف کو اپنی تصنیف کی قدر و قیمت کا احساس اور اپنے آپ پر اعتماد ہے تو چند ایسے تبصروں سے اس کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ جن حضرات کو ان تبصروں سے اختلاف ہے وہ اس اختلاف کو سنجیدگی سے علٰحدہ ظاہر کریں۔ ادبی مسائل میں جمہوریت ہوتی ہے یعنی اختلاف کی گنجائش اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری زبان میں ہم ایسے ادبی اختلافات پر مختصر مراسلے تو شایع کرسکتے ہیں لیکن طویل مضامین کی اشاعت سے معذور ہیں۔

ادھر ادھر سے

بلگریڈ میں ٹیگور کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبات

رابندر ناتھ ٹیگور کی صد سالہ سال گرہ کے سلسلے میں ۸ جون سنہ ۱۹۶۱ء کو ہندوستانی سفارت خانے کے زیر انتظام ڈوم سندیکاٹا ہال میں ایک تقریب ہوئی جس میں یوگوسلاویہ کے وزیر برائے تعلیم و ثقافتی امور جناب کرسٹے کرینکوسکی یوگوسلاویہ کے بہت سے ادیب، شاعر، یونیورسٹیوں کے پروفیسر، اعلیٰ افسران اور سفارتی ارکان موجود تھے۔ ہندوستانی سفارت خانہ کے مہتمم الامور جناب وی۔ داس گپتا نے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے ایک مختصر تقریر میں ڈاکٹر ٹیگور کی خداداد قابلیت پر روشنی ڈالی اس کے بعد یوگوسلاویہ کے ادیبوں کی انجمن کے صدر الیگزینڈر ووکو نے بھی "ٹیگور بطور مصنف و شاعر" کے موضوع پر تقریر کی۔ اس موقع پر ستیہ جیت رائے کی تیار کردہ فلم بھی دکھائی گئی جس میں ٹیگور کی زندگی کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔

عربی زبان میں ڈاکٹر ٹیگور کا ڈراما "چترا"

دمشق میں جشن ٹیگور کی تقریبات کے سلسلے میں تقریبات کی مقامی کمیٹی نے ۱۲ جون ۱۹۶۱ء کو عربی میں "چترا" ڈراما کھیلا موجودہ زمانے میں دمشق میں پہلی مرتبہ ایک غیر عربی ڈراما اسٹیج پر پیش کیا گیا ہے اس کھیل کو ۱۰۰۰ اشخاص نے دیکھا جن میں ممتاز افراد بھی شامل تھے۔ اس تقریب کی صدارت، ثقافت اور قومی رہبری کے وزیر نے کی۔ حاضرین نے ڈرامے کو بہت توجہ سے دیکھا اور جگہ جگہ داد بے اختیار دی۔

ٹیگور فنڈ میں دو لاکھ کا عطیہ

مدراس۔ ۱۱ جون۔ شیواجی گنیش نے ٹیگور کی صد سالہ سال گرہ فنڈ میں دو لاکھ روپیہ کی رقم دی ہے جو انھیں بنگلور میں ایک ڈراما اسٹیج کرنے پر آمدنی کی صورت میں ملی تھی۔ یہ ڈراما ٹیگور کمیٹی کے زیر اہتمام دو دن تک ہوا۔

پیرس میں "یوم اقبال"

پیرس۔ ۱۱ جون۔ یوم اقبال کے سلسلے میں یہاں ایک شاندار تقریب منعقد ہوئی جس کی صدارت مشرقی زبانوں کے قومی اسکول کے اعزازی ناظم ہنری ماسے نے کی۔ تقریب میں علامہ اقبال کو ان کی شاعری اور فلسفے پر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

ٹالسٹائی کے خطوط کا نیلام

لندن کے روسی سفارت خانے کے دو عہدیداروں نے ٹالسٹائی کے ۸۰ خطوط کھلے نیلام میں ۶۲۰ پونڈ میں خریدے۔ ان خطوط میں ٹالسٹائی نے عیسائیت اور سوشلزم پر بحث کی ہے۔

دار المصنفین کو حکومت کی امداد

سید صباح الدین عبدالرحمٰن سکریٹری دار المصنفین نے قومی آواز کے نمائندہ کو بتایا کہ مرکزی حکومت نے دار المصنفین کو ہندوستان کی تاریخ کی تدوین اور اشاعت کے لئے دس ہزار روپیہ کی امداد دی ہے۔

اردو ڈائرکٹری

ادارہ "انیس اردو" الہ آباد نے اردو ڈائرکٹری کے نام سے ایک کتاب کی ترتیب و اشاعت کا کام شروع کیا ہے جس میں ملک بھر کی ادبی انجمنوں، اردو دانوں، صحافیوں، ناشروں وغیرہ کے بارے میں تفصیلات درج ہوں گی۔ یہ ایک حوالے کی کتاب (REFERANEE BOOK) کی حیثیت سے اردو والوں کی ایک ضرورت کی تکمیل کرے گی۔

ڈاکٹر زور نے اپنے نئے عہدے کا چارج لے لیا

اردو کے مشہور اہل قلم اور محقق جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور جموں و کشمیر یونیورسٹی کا تقرر کشمیر یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر و صدر شعبہ اردو ہو گیا ہے۔ موصوف نے آخر مئی سے اپنے عہدے کا چارج لے لیا ہے۔

مسعود اختر جمال

اسیرِ کارواں کی یاد

(۲۷ مئی کو الہ آباد کارپوریشن کی طرف سے آنجہانی پنڈت موتی لال نہرو کی صد سالہ برسی میں یہ نظم پڑھی گئی)

اُسی فخرِ وطن کی یاد سے پُر نور محفل ہے
تصور سے اُسی کے رونق کاشانۂ دل ہے
شعورِ زندگی جس کا مثالِ بدرِ کامل ہے

الہ آباد تہذیبوں کا سنگم اس کے دم سے تھا
فروغِ وادیٔ گنگ و جمن اُس کے قدم سے تھا
ابھی تک انجمن میں اُس کے دل کا سوز شامل ہے

کلیسا بھی۔ حرم بھی، بتکدہ بھی اُسکی راہوں میں
نہ تھا کچھ امتیازِ مشرق و مغرب نگاہوں میں
حریفِ تیرہ خوابی آج تک اُس کا غمِ دل ہے

ہوا ہے غیر فانی اُس کے ہر ایثار کا پر تو
جواہر لال اس کی عظمتِ کردار کا پر تو
وہی سیرت۔ وہی صورت نگاہوں کے مقابل ہے

سفینۂ دل کا نذرِ جوششِ طوفاں کیا جس نے
ہر اک سیلِ حوادث کو گہر افشاں کیا جس نے
وہی موجِ خراماں۔ زینتِ آغوشِ ساحل ہے

تلاش اُس کی ہر اک جانب جہانِ رنگ و بو میں ہے
چمن خود آج اُس جانِ چمن کی جستجو میں ہے
وہ جس کا داغِ محرومی جہاں تابی کا حاصل ہے

کہاں ہے آہ وہ غم خوار اپنا۔ رازداں اپنا
وہ موتی لال نہرو۔ وہ اسیرِ کارواں اپنا
ہر اک نقشِ قدم جس کا۔ چراغِ راہِ منزل ہے

مہر اظہر

گریز

شام کی دھندلی اداسی پہ خموشیٔ دوام
درد میں ڈوب کے اُبھرا ہے پھر آہنگِ خیال
کھو گئی شورشِ آلام میں آوازِ طرب
جم گئی چہرۂ نغمات پہ پھر گردِ ملال

سالہا سال سے جیسے کہ مقدر ہے یہی
زندگی ہوتی ہے انگاروں پہ شعلوں میں بسر
کٹتے ہے رقص میں رقاصۂ تخئیل لیکن
مجھ کو اب تک نہ ملا تلخیٔ دوراں سے مفر

چاندنی ۔ پھول ۔ بہاروں کا دلآویز خرام
خوابِ اُمید کے زر پاش فروزاں لمحے
میری تخئیل کی وادی سے گریزاں ہیں ابھی

عادل منصوری

دوہے

آشاؤں سے دامن بھر لے بیت چلی ہے رات
من کی من میں رہ جائے گی ورنہ من کی بات

ہردے کا کشکول اُٹھائے درد بھرے پہلو میں
ہم جوگی کا سوانگ رچا کر نگری نگری گھومیں

تنویر شمیم

ملن

تم سے ملنا ______
جیسے کسی بے پات شجر پہ پات کا ملنا!
جیسے کسی پت جھڑ کی رُت میں پھول کا کھلنا!
جیسے کسی ٹوٹی بینا سے، سُر میں ڈھل کر، نغمہ نکلے!
جیسے کسی لوہے کے تن سے چم چم کرتا شیشہ پگھلے!
جیسے کوئی پتھر کا ٹکڑا موم کا نازک بُت بن جائے!
جیسے ڈائن رین اندھیری، صبح سے پہلے، جوت جگائے!
جیسے بِن کی دیوی نکلے، باپ کے گھر سے!
جیسے بِن موسم، بن بادل، برکھا برسے!
تم سے ملنا ______
تم سے ملنا سہل نہیں ہے!
سہل نہیں ہے تم سے ملنا
جیسے کسی پت جھڑ کی رُت میں پھول کا کھلنا!
جیسے کسی بے پات شجر پہ پات کا ملنا!

سعادت نظیر

غزل

جو دل پہ چوٹ نہ کھائے وہ آدمی ہی نہیں
جو درد و غم سے ہو خالی وہ زندگی ہی نہیں

بہار و باغ نہیں، خلد ہی سہی، ساقی!
ترے بغیر کہیں لطفِ مے کشی ہی نہیں

اگر ہے لطفِ تبسم تو آنسوؤں کے بعد
بغیرِ غم جو میسر ہو وہ خوشی ہی نہیں

چراغ سیکڑوں روشن ہیں پھر بھی یہ محفل
اُداس ایسی ہے جیسے کہ روشنی ہی نہیں

مسعود پرتاب گڑھی / بسمل

غزل

پھر کسی کے عشق میں اک غم جگانے کی کہو
پھر مچایا بہ رُخِ ہستی اٹھانے کی کہو

بزمِ شامِ ہجر پہ یارو نظر ہے رات کی
خونِ دل سے پھر چراغوں کے جلانے کی کہو

دوستو کیوں چھیڑتے ہو پھر وفا کے تذکرے
عہدِ حاضر کی سُناؤ اس زمانے کی کہو

پھر اُٹھی ہے چشمِ غزالاں سوئے بسمل اے ندیم
پھر غمِ دوراں کو آئینہ دکھانے کی کہو

عتیق رنجی

غزل

طلوعِ صبح کی پیغمبروں سے سوالو!
یہ صبح بھی تو ہو ظلمت سے ہاغدار کہیں

وہ میکدہ ہو کہ دیر و حرم، غرض اے دوست
نہ مل سکے گا غمِ زیست سے فراغ کہیں

مری نگاہ و رُخ کا نشانہ ابھی ہے
ترا جمال فقط جنبشِ نگاہ نہیں

جو شاد مانِ غم زندگی نہ تھا کل تک
عتیق آج ہے کیوں مطمئن وہ قلب حزیں

محمد حسین خان جوہر

غزل

حیراں ہے آنکھ جلوۂ دلدار دیکھ کر
ذروں میں آفتاب نمودار دیکھ کر

کچھ ایسا جی لگا کہ بتا دی تمام عمر
بیٹھے ذرا تھے سایۂ دیوار دیکھ کر

چہرے پہ موت چھپا ہے مرگ کہاں
اس بے ثباتیٔ زیست کا آزار دیکھ کر

ہم نے طریقِ درد و محبت کیا پسند
راہِ غمِ حیات کو دشوار دیکھ کر

مس ماجدہ تمنا

غزل

تنہا ہیں خرابِ جنوں ہو کے ہم مگر
ان کو بھی مبتلائے غمِ زندگی کریں

منزل کا پھر سراغ کوئی مل ہی جائیگا
اپنے ہم آپ خضر بنیں رہبری کریں

اے دل خیال ہو نہ تغافل سے نا اُمید
ہے بے نیاز گر وہ تو ہم دلبستگی کریں

لا کر کسی حسین تصور کو سامنے
اب زندگی کو غرق مے بیخودی کریں

سید مسعود حسن رضوی ادیب

اُردو کا پہلا ڈراما نگار

۲۲ مئی سنہ ۱۹۶۱ء کے اخبار "ہماری زبان" میں فرخ جلالی صاحب کا ایک مضمون مندرجہ بالا عنوان سے شائع ہوا ہے جس کے ابتدائی حصے میں تین قدیم ڈراموں کا ذکر کیا گیا ہے:-

(۱) گوپی چند و جلندھر، (۲) نواز کا ترجمۂ شکنتلا، (۳) ایک سنسکرت ڈرامے کا فارسی ترجمہ جو گوالیاری یا بھاکا سے ترجمہ کیا گیا۔" پہلے ڈرامے کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ "وہ ڈراما نہیں مل سکا"۔ دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں کہ "وہ بھی میں نے نہیں دیکھا"۔ تیسرے کے متعلق لکھتے ہیں "گمان ہے کہ یہ شمالی ہند میں اُردو کی ابتدائی شکل کا ایک نمونہ ہوگا"۔

پہلا ڈراما میں نے بھی نہیں دیکھا۔ اس کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ تیسرے کے بارے میں "گوالیاری یا بھاکا" پر اردو کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا ڈراما یعنی نواز کا ترجمۂ شکنتلا میں نے دیکھا ہے یہ ہندی کی مختلف بحروں میں شکنتلا کا منظوم قصہ ہے۔ نہ وہ ڈرامے کی شکل میں ہے نہ اس کی زبان اُردو ہے۔ اس کے مصنف کا تخلص نواز نہیں بواج ہے۔ اُردو کے ابتدائی ڈراموں میں اس کا ذکر بے محل ہے۔ جو ڈرامے یقینی طور پر اُردو زبان میں لکھے گئے ہیں ان میں پہلا ڈراما واجد علی شاہ نے لکھا ہے۔ اس مسئلے پر تفصیلی بحث میری کتاب "اردو ڈراما اور اسٹیج" میں ملے گی۔ یہاں چند باتیں اختصار کے ساتھ لکھی جاتی ہیں:-

ا۔ واجد علی شاہ نے پہلا ڈراما ولی عہدی کے زمانے میں سنہ ۱۲۵۸-۵۹ ہجری میں لکھا جو پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۵۹-۶۰ ہجری میں کھیلا گیا۔ وہ رادھا کنہیا کی داستان محبت پر مبنی تھا۔ اس لئے رہس قرار پایا۔

ب۔ اپنی شاہی کے زمانے میں انھوں نے پہلا ڈراما جو سنہ ۱۲۶۶ ہجری میں تیار کیا وہ ان کی مثنوی "دریائے تعشق" کے قصے پر مبنی تھا۔ دوسرا ڈراما جو سنہ ۱۲۶۷ھ میں تیار کیا وہ ان کی مثنوی "افسانۂ عشق" کے قصے پر مبنی تھا۔

ج۔ یہ دونوں ڈرامے بھی رہس کہلائے۔

د۔ امانت نے اندر سبھا کے مقدمے میں عہد شاہی کے دوسرے ڈرامے کا ذکر رہس کے نام سے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

ہ۔ امانت نے اندر سبھا شاہی رہس کے طرز پر سنہ ۱۲۶۸ھ میں لکھی۔

و۔ اندر سبھا کے وجود میں آنے سے پہلے لکھنؤ کے شاہی اسٹیج پر تین ڈرامے کھیلے جا چکے تھے۔ یہ سب چیزیں خود واجد علی شاہ اور امانت کے بیانوں سے ثابت ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر امانت کو اُردو کا پہلا ڈراما نگار ماننے پر اصرار کیا جائے تو اس کا کیا علاج۔

اس بات میں اب کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں کہ اُردو میں پہلا ڈراما واجد علی شاہ نے لکھا۔ لیکن فرخ جلالی صاحب فرماتے ہیں "میری رائے میں واجد علی شاہ کو اولیت حاصل نہیں ہے"۔ معلوم نہیں کہ موصوف نے یہ قطعی رائے کن دلیلوں کی بنا پر قائم کی ہے۔

واجد علی شاہ کی کتاب بنی میں رادھا کنہیا کے جو دو قصے شامل ہیں ان میں سے پہلا وہ ہے جو شاہی رہس کے پہلے جلسے میں کھیلا گیا تھا۔ جلالی صاحب کا خیال ہے کہ مجھ کو "اس ڈرامے کے تعین زمانہ پر شک ہو چکا ہے"۔ انھوں نے اپنے اس خیال کے ثبوت میں میری ایک عبارت کا آخری حصہ ایک ضروری جملہ حذف کر کے یوں پیش کیا ہے:-

"واجد علی شاہ کا تصنیف کیا ہوا رادھا کنہیا کا ایک قصہ اب تک موجود ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ یہ وہ قصہ یا ناٹک تھا جو لکھنؤ کے شاہی محل میں پہلے پہل کھیلا گیا"۔

ذیل میں وہ پوری عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کسی طرح کا شک ظاہر نہیں کیا گیا ہے:-

"شاہی رہس کے پہلے جلسے میں جو ناٹک کھیلا گیا تھا اس کے بارے میں واجد علی شاہ کے منقولۂ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ وہ رادھا کنہیا کی داستان محبت پر مبنی تھا، اس کے کرداروں میں رادھا اور کنہیا کے علاوہ چار گوپیاں بھی تھیں، رادھا اور کنہیا کا مباحثہ ڈہروں میں ہوتا تھا جن میں یہ دو ڈہرے بھی تھے:-

مور مکٹ کٹ کاچھنی کر مرلی دھر لال
یہ بانک موہ من لیے سدا بہاری لال

اڑ پیارے موہنا پلک ڈھانپ توہے لیوں
نا میں دیکھوں اور کا نا توہے دیکھن دیوں

واجد علی شاہ کا تصنیف کیا ہوا رادھا کنہیا کا ایک قصہ اب تک موجود ہے جس میں یہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ یہی وہ "قصہ" یا ناٹک تھا جو لکھنؤ کے شاہی محل میں پہلے پہل کھیلا گیا"۔

رادھا کنہیا کا دوسرا قصہ جو کتاب بنی میں شامل ہے اس کے بارے میں میں نے لکھا تھا "معلوم نہیں یہ دوسرا قصہ انھوں نے لکھنؤ میں لکھا تھا یا کلکتے میں"۔ جلالی صاحب فرماتے ہیں "واجد علی شاہ دونوں کو قیام کلکتہ کی تصنیف بتاتے ہیں" اور اپنے اس ارشاد کے ثبوت میں بنی کی ایک عبارت کا صرف یہ ابتدائی حصہ پیش کرتے ہیں:-

"الملتمس تا سنہ ۱۲۹۲ھ بمقام کلکتہ محلہ مٹیا برج میں یہ دونوں قصے ناٹک مع چھتیس رہسوں کے تیار اور مرتب ہیں"۔

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۲ پر)

مراسلات

"لفظ علامہ"

جناب ناطق گلاوٹھوی صاحب نے اپنے مضامین کے مجموعہ "سبع سیارہ" میں لفظ علامہ کا موجد سید شریف کو قرار دیا ہے ان کا ارشاد ہے "کہ یہ نئی اُپج میر سید شریف مصنف قطبی[1] کی ایجاد ہے (اپج کی ایجاد بھی کس قدر اچھی زبان ہے) کہ انھوں نے اپنے منطقی استاد تفتازانی کو علامہ کہا اور دوسروں نے اس کے بعد "علامہ تفتازانی" لکھا۔ ان استاد و شاگرد میں بوجہ اختلاف عقائد (اختلاف عقائد بہت مبہم لفظ ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے دونوں حضرات فرقۂ اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اختر تلہری) جو چشمکیں ہوئی ہوں وہ ظاہر ہیں (؟) جو ٹیں ہوا کرتی تھیں ان کا بیان اب تک مدارس عربیہ میں موجود ہے بہت ممکن ہے کہ میر سید شریف نے علامۃ کی "ۃ" کا لحاظ کرتے ہوئے جو علامت تانیث ہو کر حالات وقفی میں "ہ" ہو گئی ہو اس لفظ کو بوجہ اشتراک تفضیل علامہ تفتازانی کے لئے مزاحاً شروع کیا ہو جو بعد میں تفتازانی پر چپک کر رہ گیا ہو مگر اس کے بعد دوسرے لوگوں کو "علامہ" نہیں کہا گیا"

جناب ناطق گلاوٹھوی صاحب کا دعویٰ کہ سب سے پہلے سید شریف نے ملا سعد الدین تفتازانی کو علامہ لکھا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ علامہ تفتازانی سے پہلے اس لفظ کا استعمال ملتا ہے۔ محقق طوسی کے شاگرد رشید جناب حلّی کے متعلق اُن کے ایک معاصر ابن داؤد نے علامہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ تنقیح المقال جلد اول میں حسن بن یوسف بن علی بن المطہر الحلی کے حالات کے ذیل میں یہ عبارت ملتی ہے: "وقد ترجمہ معاصرہ ابن داؤد فی رجالہ بقولہ شیخ الطائفۃ وعلامۃ وقتہ" تحقیق کی نگاہ کو اس لفظ کا پتہ اس سے بھی کئی صدی پہلے چلتا ہے۔ اصول کافی کتاب العلم میں حسب ذیل روایت ملتی ہے: "قال دخل رسول اللہ المسجد فاذا جماعۃ قد اطافوا برجل فقال ما ھذا فقیل علامۃ فقال وما العلامۃ فقالوا لہ اعلم الناس بانساب العرب ووقائعھا وایام الجاھلیۃ والاشعار العربیۃ فقال النبی ذالک علم لا یضر من جھلہ ولا ینفع من علمہ ثم قال النبی انما العلم ثلثۃ آیۃ محکمۃ او فریضۃ او سنۃ قائمۃ وما خلاھن فھو فضل الخ" ملخص ترجمہ۔ رسول اللہؐ مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک جماعت کسی شخص کے ارد گرد حلقہ کئے ہوئے ہے۔ رسول اللہ نے اس بارے میں دریافت کیا۔ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک علامہ ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تم لوگ "علامہ" کسے کہتے ہو انھوں نے کہا کہ جو شخص انساب عرب۔ وقائع عرب۔ ایام جاہلیت اور عربی اشعار پر سب سے زیادہ واقفیت رکھتا ہو۔ اس روایت سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ علامہ کا استعمال تقریباً اسی مفہوم میں رسولؐ کے زمانہ میں بھی رائج تھا۔ پھر یہ سید شریف کی ایجاد کیونکر ہو سکتا ہے۔ لفظ علامہ میں فی الجملہ ذم کا پہلو اردو استعمال میں پیدا ہو گیا ہے۔ فارسی اور عربی زبانیں اس سے بظاہر ناآشنا معلوم ہوتی ہیں۔ خود ناطق صاحب اگر اس بارے میں زیادہ وضاحت سے لکھیں تو ہم لوگوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

(سید اختر علی تلہری)

[1] قطبی عربی میں منطق کی مشہور کتاب ہے لیکن اس کے مصنف میر سید شریف نہیں ہیں بلکہ علامہ قطب الدین رازی اس کے مصنف ہیں۔ البتہ میر سید شریف نے اس پر حاشیہ ضرور لکھا ہے جو میر قطبی کے نام سے مشہور ہے۔ اختر تلہری

ڈاک تعلیم

اگر آپ بذریعہ ڈاک ہندی، بنگلہ، انگریزی، فارسی، روسی، چینی، جاپانی، جرمنی یا فرانسیسی سیکھنا چاہیں تو ہم آپ کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہیں۔

مطالبے:-

۱۔ انجمن ترقی اُردو کی مقامی شاخ کی رُکنیت،
۲۔ ہماری زبان، سب رس، معارف کی سالانہ خریداری،
۳۔ مذہبی مسلک کے مطابق ایک مذہبی اردو پرچے کی سالانہ خریداری،
۴۔ سیاسی مسلک کے مطابق ایک سیاسی اردو پرچے کی سالانہ خریداری۔
۵۔ روزانہ ایک اُردو اخبار کی خریداری۔

اگر آپ کو شرطیں منظور ہیں تو جوابی ٹکٹ کے ساتھ لکھیے:

انجمن توسیع اردو، ۱۱/۸ ناتھ بگان روڈ، کلکتہ، ۱۴، مغربی بنگال۔

نوٹ: اسباق دستی ہوں گے۔

انجمن کا خبر نامہ

شاخ بریلی کی مجلس عاملہ کا جلسہ

بتاریخ ۱۲ جون ۶۱ء کو انجمن ترقی اُردو شاخ بریلی کی مجلس عاملہ کا ایک ضروری جلسہ پروفیسر عبدالشکور کے مکان پر منعقد ہوا۔ پروفیسر مذکور نے جلسہ کی صدارت کی مندرجہ ذیل امور پر غور و خوض کیا گیا۔

(۱) تحصیل نواب گنج ضلع بریلی سے ہمدردانِ اُردو کی شکایت وصول ہوئی کہ تحصیل مذکور کے عمال اُردو میں درخواستیں لینے سے انکار کرتے ہیں، تجویز ہوا کہ پروفیسر عبدالشکور اور انور علی صاحب خود نواب گنج جا کر اس شکایت کی تحقیقات کریں اور عمال تحصیل سے مل کر اس شکایت کو دور کریں، شکایت مذکور کی اطلاع ضلع کے مجسٹریٹ کو دی گئی ہے اور انجمن ترقی اردو کے صدر دفتر سے بھی اس معاملہ میں تعاون حاصل کیا گیا ہے۔ شری پرتاب چند آزاد صاحب صدر شاخ بریلی اس معاملہ میں پوری دلچسپی لے رہے ہیں۔ امید ہے کہ یہ شکایت جلد دور ہو گی۔

(۲) چونکہ تعلیمی اداروں کے کھلنے کا وقت اب قریب آ گیا ہے اس لئے شہر کے ۲ درجن رضاکار مہیا کئے جائیں اور وہ شہر اور بیرون شہر کے مختلف حصوں میں گشت کریں۔ طلبہ اور طالبات کے والدین سے ملیں اور انکو ترغیب دیں کہ وہ اپنے بچوں کو اختیاری مضمون اُردو لینے پر آمادہ کریں۔

(۳) میونسپل بورڈ کے پرائمری اسکولوں کے طلبہ کا جائزہ لینا طے ہوا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اُردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد کیا ہے اور اس تعداد میں کیسے اضافہ کیا جائے۔ انور علی صاحب نے اپنے رضاکاروں کے ساتھ جائزہ لینا شروع کر دیا ہے، امید ہے کہ ان کی کوششیں بار آور ہوں گی۔

(۴) مجلس عاملہ نے یوپی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اقلیت کی زبانوں کے تحفظ کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے ایک ڈی وی کا کمیشن بنائی ہے امید کی جاتی ہے کہ اس کمیٹی کی رپورٹ مکمل اور اطمینان بخش ہو گی۔ اسکی ضرورت ہے کہ یہ کمیشن صوبہ کے خاص خاص مقامات کا دورہ بھی کرے اور پورے حالات کا جائزہ لے۔ (انور علی جنرل سکریٹری)

جمکھنڈی میں اُردو تعلیم

ناظم تعلیمات بنگلور نے گورنمنٹ ہائی اسکول جمکھنڈی میں اپنے ایک حکم ذریعہ نشان ای۔ 51/143۔1231/1 مورخہ ۱۹ اپریل ۶۱ء اردو ذریعہ تعلیم کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ جہاں تک طلبہ کی تعداد کا تعلق ہے مذکورہ ہائی اسکول کا اردو ڈویژن برابر ترقی کر رہا ہے۔ مگر دو سال سے وقت مقررہ پر اساتذہ کا تقرر نہ ہونے کے باعث اس ڈویژن کی تعلیمی ترقی متاثر ہو گئی ہے۔ ذیل کے خاکہ سے اس بات کا اندازہ ہو گا۔

نشان سلسلہ	سال تعلیمی	طلبہ کی تعداد	جماعتوں کی تعداد	تقرر طلب اساتذہ	تقرر شدہ اساتذہ	ریمارک
۱	۱۹۵۹-۶۰ء	۲۶	۱	۲	۱	۳ ماہ کے بعد ایک ٹیچر کا تقرر
۲	۶۰-۶۱ء	۵۶	۲	۳	۲	۳ ماہ کے بعد دوسرے ٹیچر کا تقرر

سال حال (۶۱-۶۲ء) میں جماعت ہشتم میں ۳۰ طلبہ کے داخلہ کی توقع ہے اس طرح ایک اور کلاس کا اضافہ ہو گا اور جملہ جماعتیں ۳ ہوں گی۔ اور طلبہ کی تعداد لگ بھگ ۷۰ کے قریب ہو گی۔ لیکن گذشتہ سال کے دو ٹیچروں میں سے ٹرینڈ نہ ہونے کے باعث ایک کو خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سے اب تین جماعتوں کے لئے صرف ایک ٹیچر کام کر رہے ہیں۔ مزید ۲ اساتذہ کے تقرر کی سخت ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ ہائی اسکول کے اس اردو ڈویژن میں ۲ سال سے سائنس اور ریاضی پڑھانے والا کوئی ٹیچر نہیں ہے جس سے طلبہ ان مضامین میں بالکل کورے ہیں۔ اب جو اساتذہ کے تقررات ہوں گے ان میں سے کسی ایک کا سائنس گریجویٹ ہونا ضروری ہے۔ مقامی اردو ایجوکیشن سوسائٹی کی کوششوں کے باعث کئی امیدواروں نے نائب ناظم تعلیمات دھارواڑ کے پاس درخواستیں روانہ کی ہیں جس میں سے موزوں امیدواروں کا عاجلانہ انتخاب بے حد ضروری ہے۔ ذریعہ ہذا میں دیگر ملازمت کے متلاشی اردو دان گریجویٹس سے بھی التماس کروں گا کہ وہ اپنی درخواستیں D.D.P.I. Dharwar کے نام جمکھنڈی کی جائدادوں کا حوالہ دے کر فوری روانہ کریں اور اس کی ایک کاپی پریزیڈنٹ اُردو ایجوکیشن سوسائٹی جمکھنڈی ضلع بیجاپور کے نام بھیج دیں تاکہ اس خصوص میں ضروری کارروائی کی جا سکے۔

مذکورہ اردو ڈویژن کی برقراری اور اس کا استحکام نہایت ضروری ہے کیونکہ مقامی و اطراف کے ابتدائی مدارس میں اردو کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ ذیل کے خاکہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

نشان سلسلہ	مقام	فاصلہ	آبادی	اردو دان آبادی	ابتدائی مدارس میں طلبہ کی تعداد	جماعت چہارم تا ہفتم میں طلبہ کی تعداد
۱	جمکھنڈی	—	۲۲۱۸۶	۹۰۰۰	۸۵۵	۲۱۱
۲	بنہٹی، ربکوی	۱۲	۲۹۹۳۰	۵۰۰۰	۴۵۷	۱۳۴
۳	تیردل	۱۸	۱۲۱۸۴	۳۰۴۰	۲۴۵	۵۱
۴	مدھول	۱۲	۱۲۲۲۴	۲۵۰۰	۳۰۰	۶۰
۵	مہالنگپور	۱۸	۱۰۸۵۷	۱۸۰۰	۱۲۵	۳۵
۶	ہنگنڈی	۱۹	۲۰۰۰	۳۰۰	۷۵	۱۵
۷	والنٹری اسکولس				۴۳۲	
	جملہ				۲۶۹۹	

ذریعہ ہذا میں بی۔ ڈی۔ جتی چیف منسٹر میسور، انا راؤ صاحب گنمکی وزیر تعلیم حکومت میسور، ناظم تعلیمات حکومت میسور اور نائب ناظم تعلیم دھارواڑ سے درخواست کرتا ہوں کہ گورنمنٹ ہائی اسکول جمکھنڈی کے اس اردو ڈویژن کی جانب عاجلانہ توجہ فرمائیں اور فوری مطلوبہ اساتذہ کے تقرر سے طلبہ کا نقصان نہ ہونے دیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پی۔ بی ہائی اسکول جمکھنڈی ممبئی کرناٹک میں واحد گورنمنٹ ہائی اسکول ہے جہاں اُردو ذریعہ تعلیم کا انتظام ہے۔

(سکریٹری۔ اردو ایجوکیشن سوسائٹی جمکھنڈی)

وقار خلیل

یوم فراق

عہد حاضر کی اُردو شاعری جن اربعہ عناصر سے عبارت ہے ان میں فراق گورکھپوری کی آواز ان کے لب و لہجہ کا تیکھاپن اور فکر و فن کی گمبھیرتا کے سبب، انھیں بلاشبہ دورِ حاضر کا بڑا شاعر تسلیم کیا جائے گا۔ وہ انگریزی ادبیات کے پروفیسر کی حیثیت سے ممتاز مقام کے حامل رہے ہیں مگر اس سے کہیں زیادہ شہرت انھیں ایک شاعر اور ایک صحت مند نقطۂ نظر کے حامل ادیب اور نقاد کی حیثیت سے حاصل ہوئی۔ اسی باکمال فنکار کی شعری اور ادبی خدمات کا اعتراف اردو مجلس حیدرآباد کی طرف سے منعقدہ چہار روزہ تقاریب "یوم فراق" میں کیا گیا جو اُردو ہال میں منعقد ہوئیں۔ اُردو مجلس اشعر و ادب کے محسنوں کے تئیں نذرانۂ عقیدت ادا کرنے میں جو تاریخی اور یادگار خدمات انجام دے رہی ہے اس کا اعتراف ہندوستان اور پاکستان کے سبھی ادب دوستوں کو ہے۔ یوم غالب، یوم مومن اور یوم مولوی عبدالحق کے بعد اس ادارے نے یوم فراق گورکھپوری منانے کا اعلان کیا۔

۱۸ر مئی ۱۹۷۱ء شام کے ۵ بجے اردو ہال حمایت نگر میں پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کی ادبی خدمات کے اعتراف میں منعقدہ افتتاحی اجلاس کی صدارت کے لئے معتمد اُردو مجلس نے ڈاکٹر غلام یزدانی کے نام کا اعلان کیا۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

اُردو مجلس کے صدر رائے جانکی پرشاد صاحب جنھیں ہم حیدرآباد والے اخلاق و کردار کا مجسمہ، صدق و صفا کا پیکر اور پُرخلوص خدمتگزار اردو کہتے ہیں، معتمد سے مشاورت کے بعد مائک پر نظر آ رہے ہیں۔ رائے صاحب نے یوم فراق کی غرض و غایت بتائی، اردو مجلس کے کارکنوں کے بے لوث کارناموں کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر یزدانی کا خیر مقدم کیا اور حاضرین کو خوش آمدید کہا۔

پروگرام کے مطابق ہندی کے ممتاز شاعر پنڈت ونشی دھر جی ودیالنکار پرنسپل نائٹ دام بھگوان داس سائنس کالج نے "فراق کی شاعری میں ہندی عنصر" کے عنوان سے اپنا مضمون پڑھا۔ انھوں نے عام فہم اور رواں ہندی میں فراق صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ "فراق نے اپنی تمام زندگی اردو شعر و ادب کی خدمت میں صرف کی ہے۔ اگر میں ہندی کے الفاظ میں کہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ "ساہتیہ کے یودھا" (ادب کے سپاہی) ہیں۔ وہ شعر و شاعری اور ادب کے ساتھ ایسے گھل مل گئے ہیں، ایسے بے پردہ ہیں کہ ان کے پاس، اس جگہ تکلف کی کسی قسم کی گنجائش ہی نہیں۔ ان کے تخیل، ان کی رنگین بیانی، ان کا طرزِ کلام، ان کی بات چیت سب میں آپ کو ایک طرح کی بے تکلفی ملے گی۔

اُردو کے کئی شاعروں نے اپنی شاعری میں ہندی کے الفاظ اور محاوروں کا کچھ اس انداز سے استعمال کیا ہے کہ ان سے اُردو زبان میں ایک نئی لذت اور نیا رس جس پیدا ہو گیا ہے۔ فراق نے بھی اپنی نظموں میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کا کافی استعمال کیا ہے۔ انکی شاعری میں تخیل کی رنگینی کا زیادہ ہونا بھی، ہم ہندی شاعری کا اثر سمجھتے ہیں۔ ایک ہی چیز کی جب بہت سی چیزوں سے تشبیہ دی جاتی ہے تو اسے "تشبیہات کا ہار" کہا جاتا ہے۔ فراق نے اپنی نظموں میں تشبیہوں کے ایسے بہت سے ہار پروئے ہیں۔ ان مالاؤں میں جو پھول اصلی ہیں ان میں نزاکت اور خوشبو ہے۔"

ونشی دھر جی کے بعد محترمہ ڈاکٹر سیدہ جعفر صاحبہ لکچرار اردو نظام کالج نے اپنا مضمون بعنوان "فراق بحیثیت نقاد" پڑھا۔ انھوں نے اپنے پُرمغز مقالے میں کہا کہ "فراق جس طرح اردو غزل میں ایک منفرد آواز ایک مخصوص لب لہجہ اور ایک نئی اٹھان اور زبان لے کر آئے ہیں اسی طرح اُردو تنقید میں بھی ان کا انداز دوسرے نقادوں سے مختلف ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ پچھلے دس برس کے عرصے میں فراق کی غزل اور ان کی تنقید نے اردو داں طبقے میں ایک نیا طرزِ احساس اور ایک جدید ذوقِ ادب پیدا کیا ہے۔ فراق نے اردو ادب میں پہلی بار تاثراتی تنقید کو ایک فن کے طور پر برتا اور اس کے خد و خال کے متعین کرنے اور اس کے مطالبات کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی تاثراتی تنقیدوں میں ان کا احساس، فنکار کے شعور کی تہوں میں نفوذ کر کے اس کے صوتی ذوق، تخلیقی جوہر اور اس کی اصل شخصیت کو چھو لیتا ہے۔"

ڈاکٹر سیدہ جعفر کے مقالے کے بعد جواں سال اور مشہور شاعر شاذ تمکنت نے "فراق کی شاعری کے چند پہلو" کے عنوان سے اپنا مضمون پڑھا۔ انھوں نے کہا کہ "فراق بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں میں پہلی بات جو بطورِ خاص اہم ہے وہ ان کے لب لہجہ کی نرمی اور سہاونا پن ہے، یہ نرمی اور سہاونا پن اس غم کی دین ہے جو محبوب نے فراق کو عطا کیا ہے۔ فراق کے ہاں غم کا لفظ جذبات کی تہذیب شائستگی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ وہ مذاق زندگی کو شائستہ بنانے کے لئے غم کو اکسیر کا درجہ دیتے ہیں۔ فراق نے غم کے تریاق سے اپنی شاعری کو آبِ حیات کا راستہ دکھایا ہے۔ فراق کی شاعری سماوی کیفیات کی شاعری ہے۔ ان کے لہجے میں ستاروں کی ٹھنڈک، رات کی پراسراریت، نیم شبی کے مناظر اور ڈھلتی راتوں کی خنکیاں کروٹیں لیتی نظر آتی ہیں۔ فراق کے ہاں نظریۂ ذوقِ جمالیاتی شاعری کا آرٹ اعجاز کی حد تک نمایاں ہے کہ وہ شبنم کا ذکر کر کے دلوں میں شبنم کا چھڑکاؤ بھی کر دیتے ہیں۔"

شاذ تمکنت کے بعد محمد منظور احمد صاحب نے ادیبوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مجلس مقالات کی دوسری نشست ۱۹ر مئی صبح ۹ بجے منعقد ہو گی۔

پروگرام کے مطابق ابوظفر عبدالواحد صاحب پرنسپل اردو کالج نے جلسہ کی صدارت کی۔ منظور صاحب کے اعلان کے مطابق راقم الحروف (وقار خلیل) نے فضیل جعفری (استاد مدرسہ فوقانیہ دیگلور ضلع ناندیڑ) کا مقالہ "کلام فراق میں غنائی عناصر" پڑھا۔ فضیل صاحب نے لکھا تھا کہ "سنگیت یا موسیقی سے متعلق جس کثرت سے لطیف، نازک، پاکیزہ اور رنگین حوالے فراق کے یہاں ملتے ہیں، اس کی مثال اُردو شاعری میں کہیں اور نہیں ملتی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو بھی لکھتے ہیں

سُنے لگتے ہیں۔ آواز سے جس شدت کا اثر فراق لیتے ہیں اس طرح اردو کا کوئی اور شاعر متاثر نہیں ہو سکتا ہے۔ سامعی تخیل سے اگر ان کے کلام کو کوئی گنگنائے تو فوراً محسوس کرے گا کہ فراق نے اردو شاعری کو ایک بہت رچی ہوئی موسیقی یا غنائیت عطا کی ہے۔ فراق کی تنقید حیات یا فراق کا پیغام' فراق کی آواز اور اسکی نے کی تھرتھراہٹوں میں مضمر ہے۔ صوتیات کی جو کائنات' فراق نے تخلیق کی ہے وہی ان کا سب سے اہم اور بیش قیمت کارنامہ ہے۔"

اس مقالے کے دوران' اردو ہال میں اردو کے صفِ اول کے افسانہ نگار' راجندر سنگھ بیدی تشریف لائے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ' اور مسری نیواس لاہوٹی کی دعوت پر یوم فراق میں بیدی صاحب کی آمد نے سبھوں کو خوش آمدید کہنے کا اعزاز بخشا۔ معتمد اردو مجلس سے مشاورت کے بعد صدر جلسہ نے مائک پر بیدی جی کی آمد کا اعلان کرتے ہوئے ان کا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ گلپوشی کے بعد راجندر سنگھ بیدی نے اس تقریب کے منائے جانے پر دلی مبارکباد دیتے ہوئے فراق کی شخصیت اور ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا اور انھیں اس عہد کا سب سے بڑا شاعر قرار دیا۔

بیدی صاحب کی مختصر مگر جامع تقریر کے بعد مغنی تبسم لکچرار اردو سکندرآباد کالج نے "فراق کا عشق" کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھا۔ فراق کے عشق اور عشقیہ شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "قدما اور متاخرین کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے جب ہم فراق تک پہنچتے ہیں تو اچانک یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم ایک بند کمرے سے نکل کر کھلے میدان میں آگئے ہیں اور خوش گوار ہوا چلنے لگی ہے۔ فراق کی شاعری ایک ایسا چشمہ ہے جو روایتی عشق کی گدلاہٹوں سے پاک ہے۔ اس شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ ایک ایسی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جہاں عفریت نما محبوب کی خونخواریاں ہیں اور نہ رقیب سیہ کار کی خیرہ چشمیاں۔ فراق کی شاعری میں عشق کا محرک جنسی جذبہ ہی ہے جو ارتقا پاتے ہوئے ذہنی سطح پر پہنچ جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں حسن کی بوقلموں کیفیات کا اظہار اردو کی جمالیاتی شاعری کو فراق ہی کی دین ہے۔ فراق کی امیجری کے تجزیے سے ان کے جمالیاتی شعور کی گہرائی کو ناپا جاسکتا ہے۔ "شرنگار رس" میں فراق نے جو رباعیاں کہی ہیں وہ نسوانی حسن کے فن کارانہ مشاہدے کی معراج ہیں۔"

اس مقالے کے بعد عالم خوندمیری صاحب نے اپنا مضمون "فراق کا شعورِ غم" پڑھا۔ انھوں نے کہا کہ "فراق وصل کی ساعتوں کی تمنا کرتے ہوئے کم نظر آتے ہیں اور فراق کی گھڑیاں انھیں زیادہ محبوب ہیں۔ غالب کی شاعری کا یہ رجحان' فراق کی شاعری میں پوری طرح ابھر آتا ہے کہ فراق۔ غالب کی صدائے بازگشت نظر نہیں آتے۔ بلکہ غالب کی شاعری کے اس لہجے کا نقطۂ عروج نظر آنے لگتے ہیں۔ غالب نے وصل کی ساعتوں میں جب ہجر کی تمنا محسوس کی تو ان کا رویہ ایک حد تک انفعالی تھا لیکن فراق کا رویہ انفعالی نہیں' بلکہ ان کے ہجر کے لمحات ان کی حیاتِ عشق کا ایک بڑا انمول سرمایہ بن جاتے ہیں۔ فراق کی شاعری میں ہجر کی یہ عظمت' صرف فراق کا انداز بیان نہیں ہے بلکہ حیات و کائنات کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہے اور انھوں نے ان منزلوں کو وجدان کی مدد سے طے کیا ہے۔"

عالم خوندمیری کے مقالے کے بعد مجلس مقالات کی دوسری نشست کا آخری مقالہ "فراق کا جمالیاتی شعور" سعادت نظیر کا تھا۔ جس میں انھوں نے کہا کہ "فراق کو غزل سے جو فطری مناسبت ہے وہ کسی اور صنفِ سخن سے نہیں۔ غزل ہی میں ان کا ذوق جمال' ایک الّھڑ دوشیزہ کی طرح انگڑائیاں لیتا ہوا نظر آتا ہے' جس کی فضا میں لطافت و رنگینی کے ساتھ ساتھ جدت اور انوکھا پن بھی ہے۔ فراق ایک حسن پرست شاعر ہیں۔ ان کے جمالیاتی شعور میں نہ صرف گہرائی ہے بلکہ لطافت و پاکیزگی بھی ہے"

اس مقالے کے بعد ابوالظفر عبدالواحد صاحب نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "شبلی کے بعد شعر و ادب کے میدان میں فراق منفرد مقام رکھتے ہیں۔ فراق کا تنقیدی اسلوب نہایت شگفتہ اور گلکار ہے۔ فراق کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہندی کے الفاظ اور اصطلاحات کو حسین اور رنگین طریقے پر اردو زبان میں جذب کیا ہے۔ فراق کی شاعری اور فنکاری میں ایک ایسی جھلک نظر آتی ہے جس کو ہر شخص چھو نہیں سکتا۔ وہ بلاشبہ ایک عظیم المرتبت شاعر ہیں۔"

محمد منظور احمد صاحب معتمد اردو مجلس کے شکریے پر یہ ادبی تقریب اختتام کو پہنچی

۲۳ مئی کو "شب نغمہ" کا پروگرام محترمہ مسعودہ بیگم صاحبہ وزیر ریاستی حکومت کی صدارت میں شروع ہوا۔ اس رنگارنگ اور دلچسپ پروگرام کا آغاز محترمہ عائشہ رشاد صاحبہ کی دلچسپ کمپیئرنگ سے ہوا۔ حیدرآباد کے صفِ اول کے فنکاروں نے سازوں کی ہم آہنگی کے ساتھ فراق اور اس کے عہد کے شاعروں کا کلام سنایا۔

یوم فراق کا آخری پروگرام طرحی محفل شعر و سخن (منعقدہ ۲۴ مئی) پر ختم ہوا۔ اسکے لئے دو طرحیں دی گئی تھیں۔ ۱۔ اے دردِ ہجر اتو ہی بتا کتنی رات ہے۔ ۲۔ سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں۔ ۳۴ مقامی شعراء نے کلام سنایا اور پاکستان اور ہندوستان کے ان شاعروں کی طرحی غزلیں سنائی گئیں جنھوں نے اس مشاعرہ کے لئے بطور خاص اپنا کلام بھیجا تھا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ نواب میر عثمان علی خاں نظام حیدرآباد نے بھی طرحی مشاعرے کے لئے غزل کہی تھی جسے مشاعرے میں سنایا گیا۔ مشاعرے کا مکمل انتظام مغنی تبسم صاحب کے سپرد تھا۔ یوم فراق کے اس طرحی مشاعرے کی صدارت حیدرآباد کے میئر جناب بیدپرکاش ریباج نے کی۔ انھوں نے اس تقریب کو منعقد کرنے والوں کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ:- "اردو غزل کی دنیا بے ثبات نہیں ہے۔ اردو زبان بلاشبہ مشترکہ ملکیت ہے جس کا ٹھوس ثبوت اردو مجلس نے یوم فراق مناکر دیا ہے۔ میں اس کے انعقاد پر اردو مجلس کو مبارکباد دیتے ہوئے کہوں گا کہ اس نے فراق کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع فراہم کرکے بہت بڑا کام کیا ہے۔"

بقیہ

ہندی کی ماترائیں اور اُردو کے اعراب

कु' कू' के' कै' को' कौ' कं' اور कः ہو جائیں گی۔ لہٰذا ا' ٰ ' ا' ِ ' ی' ُ ' و' ے' ے' و' و' ں' ہ: ہندی کی ماترائیں ہوئیں۔ گویا ہندی کی ماترائیں اور حروف علت انگریزی کے مقابلے میں بالکل واضح ہیں۔

اُردو زبان میں صرف ا' و' ی کو حروف علت کہا گیا ہے حالانکہ ان کے علاوہ اور بہت سے حروف (ے) اور اعراب بھی ہیں جو حروف علت کا کام کرتے ہیں۔ ا' و' ی کا بھی تلفظ جب اَ' وَ' یَ کیا جاتا ہے تب ان سے حروف صحیح ہی مُراد ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اُردو زبان میں حروف علت اِدھر اُدھر منتشر ہیں۔ ہندی کے مذکورہ بالا حروف علتوں کے لئے کوئی نیا حرف ایجاد کرنا میں نہیں چاہتا کیونکہ اس کا اُردو کی موجودہ شکل پر بہت گہرا اثر پڑیگا۔ چنانچہ کافی غور کے بعد میں نے اُردو زبان کے بکھرے ہوئے اعرابوں اور حروف علتوں کو یکجا کر کے قطعی طور پر ہندی سے اس طرح ربط پیدا کیا ہے۔

نمبر شمار	اُردو کے حروف علت	اُردو کے اعراب	[illegible]	ہندی کی ماترائیں	ہندی کے حروف علت
۱	ا	اَ	अ	—	अ
۲	آ	ٰ (مجہول)	आ	—	
۳	ا	ا (معروف)	आ	ा	आ
۴	اِ	ِ (مجہول)	इ	ि	इ
۵	اِی	ِی (معروف)	ई	ी	ई
۶	اُ	ُ (مجہول)	उ	ु	उ
۷	اُو	ُو (معروف)	ऊ	ू	ऊ
۸	اے	ے (ہ)	ए	े	ए
۹	اَے	ے (ہ)	ऐ	ै	ऐ
۱۰	اَو	و	ओ	ो	ओ
۱۱	اَو	و	औ	ौ	औ
۱۲	اں (غنہ)	ں	अँ	ँ	अँ
۱۳	اہ	ہ	अः	:	अः

عـ۱ مد کا استعمال ہندی کے आ کی طرح ہوتا ہے' جیسے آم' آگرہ' آندہ' جامہ وغیرہ۔ میں نے نئے اصول کے مطابق لکھے گئے نونہال قاعدہ میں مد کا استعمال کیا ہے مگر اُردو زبان سے مد ہٹا دیا جائے اور اس کا کام 'ا' سے لیا جائے (مد 'ا' نہیں ہے)

عـ۲ متوشوں کی حالت میں 'ی' اور 'ے' میں تمیز کرنے کیلئے 'ی' کے نیچے دو نقطے اور 'ے' کے نیچے چھوٹا الف دیں گے۔

عـ۳ ہندی کے ارد विसर्ग کا استعمال کسی لفظ کے آخر میں بھی ہوتا ہے اس لئے ہندی الفاظ کا صحت کے ساتھ تلفظ کرنے کے لئے کسی لفظ کے بعد دو نقطے استعمال کر سکتے ہیں جیسے पुनः = پُن؛

مذکورہ بالا چارٹ پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُردو زبان میں حروف علت کی تعداد ہندی سے بھی زیادہ ہے۔ بہرحال اگر مذکورہ بالا چارٹ ہندی اور اُردو کے حروف علت اور اعرابوں میں قطعیت پیدا کر دیتی ہے اور اگر اُردو کے 'ک' حرف میں انکی آوازیں جوڑی جائیں تو 'ک' کی آوازیں ترتیب وار کَ' کا' (ڈھاکہ) کا' کِ' کی' کُ' کو' کے' کَے' کَو' کَو' کں' کہ: ٹھیک ہندی کی طرح ہو جائیں گی۔ اب اگر ہم حروف کو نئے طریقے سے پڑھنے اور ہندی کی تمام ماتراؤں کا مذکورہ بالا بدل قرار دینے کا اصول مان لیں تو اُردو کے الفاظ اس طرح لکھے جائیں گے۔

मकान = مکان یا مکان؛ किसान = کِسان یا کیسان؛ दरी = دری؛ कुर्सी = کُرسی یا کُرسی؛ कुट = کُوٹ یا کوٹ؛ केला = کےلا یا کیلا؛ कैलाश = کَےلاش یا کیلاش؛ घोड़ा = گھوڑا یا گھوڑا؛ चौकी = چَوکی یا چوکی؛ चाँद = چاں د یا چاند؛ اور पुनः = پُن؛ یا پُن؛

[نوٹ۔ میں نے اپنے مضمون میں سفارش کی تھی کہ طباعت میں حروف الگ الگ اور درستی تحریر میں ایک ساتھ ٹھیک انگریزی کی طرح لکھے جائیں تاکہ سہل اور کم قیمت ٹائپ رائٹر تیار ہو سکے۔ میرے قاعدہ سے دونوں طرح الفاظ لکھے جا سکتے ہیں]

اب مجھے امید ہے کہ قریشی صاحب میرا مدعا سمجھ جائیں گے میرے قاعدہ کے مطابق औ کے لئے اَو (ا + وَ) (अ + ौ) اور अव کے لئے اَو (ا + و) (अ + व) لکھیں گے۔ کیونکہ میں نے کہا ہے کہ جب کسی حرف پر کوئی علامت نہیں دیتے تو عموماً اُس حرف کو زبر دیا ہوا ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن 'ا' اور 'ی' کا تلفظ ترتیب وار آ' ا' اور یِ' ی بھی ہوتا ہے۔ اس لئے غلط فہمی سے بچنے کے لئے صرف 'ا' اور 'ی' پر ہی زبر دیں گے۔ جیسے अ = اَ' आ = ا' य = یَ اور ई = ی۔ اس طرح اُوتار = औतार' اَوتار = अवतार' اَودھ = अवधि' اور اودھ = अवध' اور اَودھ = औध ہوگا۔ مروجہ طریقہ کے مطابق

انھیں اُوْتار، اُوْنار، اَوْدھی، اَوْدھ اور اُوْدہ لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نیا طریقہ ہمارے موجودہ طریقہ سے بالکل آسان ہے کیونکہ اس میں اعراب کا استعمال بالکل کم ہو جاتا ہے۔

قریشی صاحب نے اُردو حروف میں ماترا لگانے کا جو طریقہ بتایا ہے وہ آسان تو ضرور ہے لیکن اس سے اُردو کی تحریر اور طباعت کا موجودہ ڈھانچہ بالکل بدل جاتا ہے اور اس میں بھی اعراب لگانے ہی پڑتے ہیں اور اگر نہیں لگائے جائیں تو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی کہ اس طریقہ کو اپنانے سے فارسی رسم الخط کی دُنیا سے اُردو کا تعلق بالکل ختم ہو جائے گا اور ہم عربی یا فارسی نہیں پڑھ سکیں گے۔

جہاں تک اعراب دینے کا سوال ہے یقیناً اس کے بغیر غلط فہمی ہو سکتی ہے اور ہر زبان میں ہو سکتی ہے۔ لیکن ہر جگہ غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔ 'اُردو' کو ہم بغیر اعراب ہی لکھتے ہیں اور یقیناً کسی کو پڑھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی لفظ اَردُو یا اُردو .... ہو تو ہمیں اعراب دینے ہی ہوں گے اور خاص کر ابتدائی درجوں میں بچوں کو اعراب دے کر ہی پڑھانا چاہئے۔ مگر جب ہم کسی لفظ کو بار بار دیکھ چکتے ہیں تو اس کو ٹھیک اُسی طرح ایک ہی نظر میں پہچان جاتے ہیں جس طرح ایک ٹوٹی پھوٹی سائیکل کو بھی ہم سائیکل ہی سمجھتے ہیں۔ اور میرا یہ طریقہ تو اعراب دینے کا سوال بھی بہت حد تک کم کر دیتا ہے۔ یعنی اب ہم صرف چند ہی حروف پر زیر دیں گے۔ آج ہم گوشت لکھتے ہیں کل ہم گوشٹ لکھیں گے اور جزم کا استعمال بھی کم ہو جائے گا۔ بہرحال اگر مذکورہ بالا اصول مان لیا گیا تو میں آئندہ ساکن حروف' ہندی اور اُردو کے حروف تہجی میں میل، دوسری زبانوں کے غیر مانوس الفاظ، اور ہجے عنوانات پر باری باری سے روشنی ڈالوں گا۔ اور بعد میں ان تمام اصولوں پر تیار کئے گئے نونہال قاعدہ اور اُردو قواعد سے بھی ناظرین کا تعارف کراؤں گا۔

بقیہ

اُردو کا پہلا ڈراما نگار

جلالی صاحب کے نزدیک اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ راداھا کنہیا کے دونوں قصّے اور چھتیس رہس سب ۱۲۹۲ھ میں تصنیف کئے گئے۔ یہاں دو باتیں محلِ نظر ہیں۔ ایک یہ کہ تا سنہ ۱۲۹۲ھ کے معنی سنہ ۱۲۹۲ھ میں قرار دے گئے ہیں حالانکہ اس کا صحیح مفہوم ہے سنہ ۱۲۹۲ھ تک۔ دوسری یہ کہ "تیار اور مرتب ہیں" سے یہ مراد لی گئی ہے کہ تصنیف کئے گئے ہیں۔ حالانکہ ان لفظوں کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ قصّوں کے کھیل اور رہسوں کے ناچ تیار ہیں۔ جس عبارت کا صرف ابتدائی حصّہ اوپر پیش کیا گیا ہے وہ پوری عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان قصّوں کے کھیل اور رہسوں کے ناچ جو بہت پہلے عہد شاہی میں تیار کئے گئے تھے وہ سنہ ۱۲۹۲ھ تک تیار رہے۔

"الحمد للہ کہ تا سنہ ۱۲۹۲ھ بمقام کلکتہ محلہ مٹیا برج میں یہ دونوں قصّے الگ الگ مع چھتیس رہسوں کے تیار اور مرتب ہیں۔ البتہ سقمات علمی اور ذیور میں راقم سے اس قدر مہیا نہ ہو سکا جو تکمیل کرتا۔ زمان سلطنت اور استقلال میں سب کچھ خدا نے عطا کیا تھا۔"

جلالی صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں "واجد علی شاہ خود مذکورہ کتاب بنی میں کہیں یہ نہیں لکھتے کہ یہ رہس سنہ ۱۲۶۰ھ یا زمانۂ ولی عہدی میں لکھا گیا۔" دوسری جگہ لکھتے ہیں "محمد حسین ادیب نے اُردو ڈراما پر کام کیا ہے اور ۲۲ر جون سنہ ۱۹۶۹ء کو اس رہس کو ریڈیو پر پیش کر چکے ہیں۔ وہ کہیں یہ نہیں کہتے کہ یہ اُردو کا پہلا ڈراما ہے۔"

اس بارے میں مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ کسی لکھنے والے کی خاموشی کسی تحقیقی مسئلے کا حل نہیں قرار پا سکتی۔

جلالی صاحب کو شکایت ہے کہ میں نے محمد حسین ادیب کا ذکر بھی اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے۔" میں افسوس کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ محمد حسین ادیب نے ڈرامے پر جو کام کیا ہے اس کا مجھ کو علم نہیں ہے۔ اگر جلالی صاحب اس سے مجھے مطلع فرما دیں تو میں شکر گزار رہوں گا اور اگر وہ کام قابلِ ذکر ہوگا تو کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں اس کا ذکر بھی ضرور کروں گا۔

پرنٹر پبلشر ضمیرالدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شایع کیا